K.No. 2186/57 Regd. No. L-922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۳ - شمارہ ۲۷ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | ۱۵ جولائی سنہ ۱۹۶۴ء

اداریہ

انجمن اور تخلیقی ادب

کئی احباب نے اس پر اصرار کیا ہے کہ انجمن جدید ادب کی اشاعت پر اور توجہ کرے اور خصوصاً جدید شاعری، جدید افسانے، ناول اور جدید ڈرامے کے اچھے نمونے زیادہ تعداد میں شایع کیا کرے۔ ویسے تو یہ اچھی بات معلوم ہوتی ہے مگر اس سلسلے میں ایک نکتے پر غور کرنا ضروری ہے۔ ہمارے یہاں سنجیدہ اور اعلیٰ ادب کی بکری زیادہ نہیں ہے۔ ہمارے کلاسکی ادب کے جو نمونے ملتے ہیں اُن میں غلطیاں بہت ہیں۔ ابھی بہت سے اچھے پرانے شاعروں کا کلام منظرِ عام پر نہیں آیا۔ بہت سے اچھے تذکرے ابھی تک غیر مطبوعہ ہی ہیں۔ علمی سرمائے کی ہمارے یہاں خاصی کمی ہے۔

اقتصادیات، نفسیات، سائنس، نسلیات، فلکیات پر کتابیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ علم لسانیات پر بھی کماحقہٗ توجہ نہیں ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں انجمن کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ اُردو کے علمی سرمائے میں اضافہ کرے، قدیم شعرا کے دیوان صحت کے ساتھ شایع کرے، قدیم تذکروں کو ایڈٹ کرکے منظرِ عام پر لائے، مشاہیر شعرا کے کلام کے اچھے اور سستے ایڈیشن شایع کرے۔ ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ جدید اور ہم عصر ادب پر بھی توجہ ضروری ہے۔ انجمن بعض جدید شعرا کا کلام شایع کرتی رہی ہے۔ اُردو ادب کا ایک نمبر تخلیقی ادب کے لئے وقف ہو گیا ہے اور ہر سال نکلے گا۔ مطبوعات کے پروگرام میں اس کی بھی گنجایش نکالی جائے گی کہ جدید اور ہم عصر ادب کے کچھ نمونے بھی ہر سال شایع کئے جائیں، لیکن انجمن اپنی ساری توجہ جدید ادب یا تخلیقی ادب کی اشاعت پر مرکوز نہیں کر سکتی اور اُسے ایسا کرنا بھی نہیں چاہئے۔ آخر ہمارے یہاں اور بھی ادارے ہیں اور نئے ادارے برابر وجود میں آتے رہتے ہیں۔ اپنے دور کے دردو داغ اور سوز و ساز سے آشنا رہنا ضروری ہے مگر صرف اسی کا ہو کر رہ جانا غلط ہے۔ انجمن اگر قدیم اور معیاری ادب کے نمونے برابر سامنے لاتی رہے تو اس طرح بھی وہ جدید ادب کی خدمت کرے گی اسے معیار اور اقدار دے گی۔ بقول اقبال:

نئی بجلی کہاں ان بادلوں کے جیب و دامن میں
پرانی بجلیوں سے بھی ہے جن کی آستیں خالی

لکھنؤ کارپوریشن کی توجہ کے لئے

شکایت ملی ہے کہ لکھنؤ کی سڑکوں پہ اب نام صرف ہندی میں ہیں۔ بسوں کے ٹکٹوں پر ہندی، بسوں پہ ہندی میں نام، دفتروں میں ہر جگہ ہندی میں تختیاں۔

اس اشاعت میں

ہندی میں نام تو ٹھیک ہیں اور اس پر کسی کو اعتراض نہیں کرنا چاہئے کیونکہ لکھنؤ کی اکثریت کی زبان ہندی ہے، مگر صرف ہندی ہی کیوں؟ اُردو میں بھی کیوں نہیں۔ لکھنؤ اُردو کا گہوارہ ہے۔ وہاں کی ایک تہائی آبادی کی زبان اُردو ہے۔ اُردو کے بغیر لکھنؤ کا تصور نہیں کیا جا سکتا پھر نہ جانے اُردو کے رنگوں کو حرفِ غلط کی طرح کیوں مٹایا جا رہا ہے اور یہ اتنے بہت سے شہری، کارپوریشن کے ممبر، اسمبلی کے ممبر، شاعر و ادیب، انجمن ترقی اُردو کے کارکن بیٹھے کیا کر رہے ہیں۔ کیا وہ صرف گھر بیٹھ کر افسوس کر لینے کو کافی سمجھتے ہیں۔ کیوں نہیں کوئی ممبر کارپوریشن ہی یہ تجویز پیش کرتا کہ سڑکوں پر ہندی کے ساتھ اُردو میں بھی نام لکھے جائیں۔ شہر کے کچھ ذمے دار افراد اس سلسلے میں حکومت کے ذمّے دار اشخاص سے کیوں نہیں ملتے۔ ہماری شہر لکھنؤ کی شاخ اور ریاستی شاخ کی تو یہ خاص طور پہ ذمّے داری ہے کہ وہ اس کوتاہی پر احتجاج کریں۔ آخر آتش و ناسخ، نسیم و سرشار، انیس و دبیر، چکبست و نظر کی روح کا کچھ تو ہم پر حق ہے!

سیر بین

مغرب میں نہانے کا لباس بہت مختصر ہوتا ہے، مگر اس کے دو حصے ہوتے ہیں۔ اب نئی ہوا یہ چلی ہے کہ صرف ٹانگوں کے گرد ایک مختصر سا پردہ رہے۔ اوپر کا جسم لباس سے بے نیاز ہو۔ اس سلسلے میں دو لطیفے ملاحظہ ہوں۔

ایک دوکاندار نے اعلان کیا کہ اس کے یہاں جو صرف ٹانگوں کے گرد کپڑا پہنے آئے، اُسے دوکان سے تمام چیزیں مُفت خریدنے کا اختیار ہوگا۔ بہت سے لوگ تماشا دیکھنے جمع ہو گئے۔ بہت دیر تک کوئی نہ آیا۔ تماشائی اور دوکان دار دونوں مایوس ہو گئے تھے کہ ایک تین سال کی بچی صرف ایک نیکر پہنے دوکان میں آئی اور دوکان دار کے حوالے چیزوں کی ایک فہرست کر دی۔ دوکان دار کو سب چیزیں مُفت دینی پڑیں۔ بچی کی تیسری سالگرہ کا سارا سامان مُفت میں ہو گیا۔

جب انگلستان میں عورتوں کے صرف نیکر پہن کر باہر نکلنے کے کچھ واقعات ہوئے تو اخباروں میں اس روش کے خلاف کئی خط نکلے۔ لکھنے والوں نے کہا تھا کہ یہ روش مقبول ہوئی تو انگلستان کا اخلاق چوپٹ ہو جائیگا۔ ایک خط بہت دلچسپ تھا۔ لکھنے والے کا کہنا یہ تھا کہ اُسے اس روش پر صرف ایک اعتراض ہے۔ یہ ایسے وقت شروع ہوئی ہے جب اس کا شباب رخصت ہو چکا ہے۔

کسی لکھنوی شاعر کا شعر ہے ؎

حور بن کر ترے کُشتے کی قضا آتی ہے
دامنِ تیغ سے جنّت کی ہَوا آتی ہے

جگر کا شعر ہے ؎

یادِ جاناں بھی عجب رُوح فزا آتی ہے
سانس لیتا ہوں تو جنّت کی ہَوا آتی ہے

دامنِ تیغ یا یادِ جاناں کو چھوڑیئے، علی گڈھ میں آج کل جو بارش کا سلسلہ ہے اُس کے طفیل ہر شخص جب سانس لیتا ہے تو جنّت کی ہوا آتی ہے۔

آسمان پر بھورے یا مٹیالے، یا سرمئی یا کالے بادل، ہوا میں خنکی اور کیفیت، ہر طرف سبزہ، پھولوں کا رنگ کچھ اور گہرا، شفق کچھ اور لال۔ برسات کے یہی لمحات تو حاصلِ زندگی ہیں افسوس ہے کہ ایسے لمحے دیر پا نہیں ہوتے۔ شاید ہو بھی نہیں سکتے۔

صحافتی بیان

بربنا محضر اولیا طالبات مدرسہ فوقانیہ اناث شکر نگر ذریعہ مراسلت ۴۳۵ ، مورخہ ۲۴ر جون ۹۳ء موسومہ ناظم تعلیمات و ترسیل نقول وزیرِ تعلیمات و انسپکٹرس گرلز ہائی اسکول حیدر آباد و مہتمم صاحب تعلیمات نظام آباد اور صدر معلمہ صاحبہ مدرسہ فوقانیہ اناث شکر نگر انجمن ترقی اُردو شاخ بودھن نے اُردو کی دسویں جماعت کے قیام کے لئے تحریک بھجوائی ہے اور جماعتی ضروریات کی تکمیل بصورت فرنیچر بلیک بورڈ وغیرہ منجانب اولیا و طالبات کر دی گئی ہے۔ لہٰذا اربابِ مقتدر سے گزارش ہے کہ ایشیا کے اس عظیم شکر سازی کے صنعتی ادارے کی اہمیت کے پیشِ نظر سالِ رواں کے لئے بعجلت ممکنہ اُردو کی دسویں جماعت کے احکامات صادر فرمائے جائیں اور آئندہ سال اُردو کی گیارھویں جماعت کے قیام کی منظوری دے کر ہائی اسکول کی تکمیل فرمائی جائے تو یہاں کے ملازمین کی بے چینی کے ازالے اور محکمۂ تعلیم کی نیک نامی کا موجب ہوگا۔

ساغر حیدرآبادی
معتمد انجمن شاخ بودھن

ترجمہ عبدالحی — گذشتہ سے پیوستہ

اسپینی ادب ۱۹۳۹ کے بعد

(چارلس ڈیوڈلی)

سیلا کی شاہکار تصنیف "مسز کاڈول کا اپنے لڑکے سے خطاب" ہے۔

اس میں سیلا نے اسپین کے مختلف صوبوں اور حصّوں کا جو حال بیان کیا ہے وہ منظر کشی اور محاکات کا اعلیٰ نمونہ ہے اس کے علاوہ اس میں مختلف افراد کی جو قلمی تصویریں کچھ نیم طنزیہ نیم حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کی گئی ہیں وہ خاصے کی چیزیں ہیں اور ادب عالیہ میں بلند مقام پانے کی مستحق ہیں۔

سیلا کی صرف ایک کتاب "The Hive" اسپین کی ہمعصر زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں رات کی تاریکی میں دارالحکومت میں ہونے والی غنڈہ گردی کی چلتی پھرتی تصویریں پیش کی گئی ہیں۔

ایک نسبتاً معمر ادیب زدن زونیغی نے جس نے ۱۹۳۹ء سے پہلے ہی لکھنا شروع کر دیا تھا اور جو ایک ممتاز ناول نگار ہے، اپنے ناول The dark Stampede میں میڈرڈ کی جدید زندگی پر بھرپور طنز کیا ہے۔ طنز نگار کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ عام انسانوں کے بجائے عجیب الخلقت مخلوق کو زیادہ پسند کرے۔ انگریزی میں اس کی مثال سوفٹ ([illegible]) کے ہاں ملتی ہے۔ انھوں نے انسانوں کے مقابلے میں عجیب الخلقت بالشتیوں اور دیوزادوں کو زیادہ پسند کیا ہے۔ چنانچہ زدن زونیغی کو بھی چوربازاری کرنے والوں، اور سڑک چھاپ عاشقوں جن کو پیٹ بھر کر روٹی بھی نہیں ملتی اور بیوتا مونو کے اشعار جن کی زبان پر ہر وقت جاری رہتے ہیں کی ہمدردی کے ساتھ کردار نگاری کی ہے۔ خواتین کی کردار نگاری میں تو زدن زونیغی کو خاص ملکہ ہے اور اسکی ناولوں میں جو زنانہ کردار ہمیں ملتے ہیں وہ بہترین ہیں، اور یہ اس بات کی پہچان ہے کہ وہ ایک ذہین ناول نگار ہے۔

جس کے ناولوں میں ہم کو قہوہ خانوں کی زندگی کی اور ایسے Paying guests کی، جو اپنے میزبانوں کے لئے دردِ سر بنے رہتے ہیں، جیتی جاگتی اور چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی ہیں۔

اسپین میں ہر سال بہت سے ایسے ناول بھی شائع ہوتے ہیں جن کا زندگی کی حقیقتوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ ناولیں زیادہ تر خواتین کی لکھی ہوئی ہوتی ہیں اور لطف یہ ہے کہ اکثر ان ناولوں پر ان لکھنے والیوں کو انعامات بھی ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسپین کے کسی کارخانے میں کام کرنے والی ایک لڑکی نے پانچ چھ انگریزی ناولیں پڑھ کر خود بھی ایک ناول لکھ ڈالی جس میں برطانوی ڈاکٹروں کی ڈپتھیریا مرض کو ختم کرنے کی جدوجہد کی کہانی بیان کی گئی تھی۔ اس ناول پر اس لڑکی کو انعام ملا۔ لیکن اچھا ہوتا کہ کسی ایسے ملک کو اپنی کہانی کا پس منظر بنانے کی جگہ جس کے متعلق اُسے کچھ بھی نہ معلوم تھا وہ اپنے آس پاس کے ماحول کی عکاسی پر اپنا زورِ قلم صرف کرتی۔ خاتون ناول نگاروں میں سے اگر کسی نے واقعی کوئی اچھا ناول لکھا ہے تو وہ ہیں کارمین لافوریٹ (Sra. Carmen laforet) ان کے ناول "Nothing" میں، جو عالمگیر جنگ کے آخری ایام میں لکھا گیا، لوگ اُسی طرح چلتے پھرتے اور ہنستے بولتے ہیں جیسے کہ عام زندگی میں اور اس طرح یہ ناول زندگی کی کامیاب عکاسی کرتا ہے۔

اسپین میں ایسے ناول بہت کم لکھے گئے جن میں فکری عنصر موجود ہو۔ دعان پیدرودی لورینزو کا "The discon tended" تو البتہ اس سے مستثنےٰ ہے۔ اور اس میں واقعی اکتا دینے والی زندگی کی خیال انگیز تصویر کشی موجود ہے۔

اسپین کے ادیبوں کی موجودہ نسل میں سماجی شعور پیدا ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب سماج کے پسماندہ طبقوں کے متعلق کہانیاں لکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے لیکن یہ بات افسوسناک ہے کہ ایسی کہانیاں لکھنے والے ادیب پسماندہ طبقوں کے ماحول اور حالاتِ زندگی سے واقفیت نہیں رکھتے اور اس طرح اُن کے ناول اور کہانیاں ایسی ہی ہوتی ہیں جیسی کہ گذشتہ دور کے مصنفوں کی شہزادوں اور شہزادیوں کی کہانیاں جن کی زندگی اور ماحول سے بیچارے یہ ادیب قطعاً نابلد ہوتے تھے۔

رافیل فرلوسیو نے ایک ناول Alfau hin لکھا۔ اس ناول کا پس منظر موجودہ زمانے کا اسپین ہے اس کو غلطی سے زیادہ سنسنی خیز ناولوں کے زمرے میں سمجھنا چاہئے۔ اچھا ہوا کہ کچھ دنوں بعد رافیل نے سنسنی خیز ناولیں لکھنا چھوڑ دیا اور اپنی کتاب El Jarama میں وہ زندگی کی حقیقتوں کی طرف لوٹ آئے۔ اس کہانی میں اُنھوں نے میڈرڈ کی دوکانوں کے چند ملازموں کی اتوار کے دن سیر و تفریح اور دریا میں نہانے کا حال بیان کیا ہے۔ اگرچہ اس کتاب کے کردار نہ تو کوئی ایسی حرکت ہی کرتے ہیں

جو پڑھنے والے کے لئے دلچسپ ہو اور نہ ہی اُن کی گفتگو میں کوئی دلچسپ بات ہوتی ہے۔ البتہ جس دیانتداری اور صحت کے ساتھ اُن کی گفتگو کو بیان کیا ہے وہی اس کتاب کی امتیازی خصوصیت ہے۔ چنانچہ آئندہ زمانے میں اگر کسی کو یہ معلوم کرنے کی ضرورت پڑ جائے کہ اس زمانے میں میڈرڈ (Madrid) کے لوگ کیسی بولی بولتے تھے تو اُس کے لئے یہ کافی ہوگا کہ وہ El garama کی ورق گردانی کرے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ایک ایسا ادبی کارنامہ ہے جسے کوئی پیدایشی ادیب ہی انجام دے سکتا ہے۔

Gran Sol کے مصنف الدیکوا (Aldecoa) نے اسپینی ماہی گیروں کی گفتگو اور خیالات کی عکاسی بھی کامیابی سے کی ہے۔ اس معنی کر یہ ناول بھی الجبرا ما کی قبیل ہی سے تعلق رکھنے والی کتاب ہے اور اس قابل ہے کہ اس کو El garama کے دوش بدوش رکھا جائے۔

ڈراما جیسی اہم ادبی صنف اسپین میں نہایت کس مپرسی کے عالم میں ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے مستقبل کی طرف سے یہاں کے لوگ بالکل مایوس ہو گئے ہیں یا پھر یہ ہے کہ وہ اس کی موجودہ حالت سے بالکل مطمئن ہیں اور اس میں کسی قسم کے مزید ارتقا یا تبدیلی کی گنجائش نہیں سمجھتے چنانچہ ایسے قنوطی ڈراما نگاروں کے کھیلوں کو بھی برداشت کر لیا جاتا ہے جن میں دربدوہ دنیا کے مستقبل سے مایوسی ظاہر کی گئی ہو اور جن میں دُنیا کے خاتمے کی "بشارت" دی گئی ہو۔ میغوئیل میورا (Miguel Mihura) اسپین کا واحد ناٹک کار ہے جو جذباتیت کا شکار نہیں ہوا اور جن کے ڈراموں میں ہمیں مزاح کی ہلکی پھلکی کے نیچے غم اور رحم کی پرچھائیاں بھی نظر آتی ہیں۔

اگر اسپین کے ادیب ان ترغیبات سے اپنا دامن چھڑا لیں جو ایک ایسے ملک میں ہر ادیب کو دامن گیر ہوتی ہیں جہاں کتابوں کی فروخت کم ہو اور مخالف تنقید سرے سے موجود ہی نہ ہو تو وہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں بھی ایسے ادب کو جنم دے سکتے ہیں جس کی روایات اتنی ہی شاندار اور روشن ہونگی جتنی کہ اوائل بیسویں صدی کے اسپینی ادب کی تھیں۔

راجندر سنگھ بیدی پر لقوہ کا حملہ

اُردو کے ممتاز افسانہ نگار اور فلم پروڈیوسر راجندر سنگھ بیدی پر لقوہ کا حملہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ اسپتال میں داخل ہیں۔ ان پر فالج کا یہ حملہ مری نگر میں ہوا جہاں وہ اپنی نئی فلم کی شوٹنگ کے لئے گئے ہوئے تھے۔ (قومی آواز، لکھنؤ)

قابل توجہ رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ

امسال پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ کے امتحان ادیب فاضل میں پرچہ تاریخ ادب اُردو کے دو سوالوں کے سوا تمام سوالات نہایت پیچیدہ تھے۔ مقررہ نصابی کتاب "مختصر تاریخ ادب اُردو" از اعجاز حسین میں یہ سوالات موجود تک نہیں۔ امیدواران ادیب فاضل کی اس طرح سے زبردست دل شکنی ہوئی ہے۔ نیز جس کاپی پر جوابات لکھتے ہیں اس میں ہدایات برائے امیدواران ہندی، پنجابی اور انگریزی میں ہوتی ہیں۔ ضروری ہے کہ یہ ہدایات اُردو میں بھی ہوں۔ لہٰذا رجسٹرار صاحب سے استدعا ہے کہ مناسب کارروائی فرمائیں، تاکہ اُردو دوستوں کی حوصلہ شکنی نہ ہو۔

(جملہ امیدواران ادیب فاضل سینٹر پٹھانکوٹ ضلع گورداسپور پنجاب)

اُردو داخلہ مُہم

اُردو داخلہ مُہم کے سلسلے میں انجمن ترقی اُردو کاکوری ضلع لکھنؤ کے زیر اہتمام ہمدردان اُردو اور طلبہ کے سرپرستوں کا ایک اہم اجتماع جناب بابو رام گپتا، صدر انجمن کی صدارت میں ہوا۔

ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اُردو لکھنؤ نے ریاستی انجمن کے نمایندہ کی حیثیت سے شرکت کی اور داخلہ مہم کے پروگرام کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ انجمن کے ذمہ داروں کو بیسک اسکولوں میں داخلے کے وقت طلبہ اور اُن کے سرپرستوں کی امداد کے لئے موجود رہنا چاہیے، اور اس بات پر نظر رکھنی چاہیے کہ کوئی طالب علم اُردو کی تعلیم سے محروم نہ رہنے پائے۔ اسی طرح جونیر اور ہائیر اسکولوں میں بھی انجمن کے ذمہ دار موجود رہیں۔ اس مقصد کے لئے ایک داخلہ مہم کمیٹی کی تشکیل کی گئی جس کے کنوینر سعید احمد علوی اڈیٹر کاکوری اخبار منتخب ہوئے۔ (قومی آواز، لکھنؤ)

دانتے کی ۷۰۰ ویں برسی

حکومت اٹلی کی سرپرستی میں مشہور عالم فلسفی دانتے کی ۷۰۰ ویں برسی منانے کے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ اس تقریب میں شرکت کے لئے دنیا بھر کے ادیبوں اور ثقافتی اداروں کو دعوت دی جا رہی ہے۔

(افکار۔ کراچی)

گویائی حق ہے یا کہ ہے تقریر مٹی کی

کیفی (رضی الدین) ؎

پسند آئی اُسے افتادگی دلگیر مٹی کی
وفا اپنا دیا کی اس قدر توقیر مٹی کی
اگر گرد ملالِ یار جھاڑوں دامنِ دل سے
سمندر تھا اُٹھے دیوار و در و تیر مٹی کی

نوٹ :- قلق دہلوی نے "تیر" کو اس طرح باندھا تھا ؎

اگر مقتول کا تیرے ذرا خوں جوش میں آئے
برنگ خون رنگت ہو ہزاروں تیر مٹی کی

کیفی کا شعر بلند معلوم ہوتا ہے، جدت پسند تھے، اُن کا دوسرا شعر یہ ہے :- ؎

نہال عشق دل میں حُسن کی گرمی سے پھلتا ہے
اثر آب و ہوا کا ہے نہ یہ تاثیر مٹی کی

زبدۃ العارفین استاد الاساتذہ حضرت علوی قدس سرہ المعروف بہ منشی صاحب تھانوی تلمیذ حضرت جناب داغ وامیر مینائی کے بعض اشعار تبرکاً پیش ہیں۔ ؎

بنا انسان مٹی سے کھلی تقدیر مٹی کی
فرشتوں کا کھلونا بن گئی تصویر مٹی کی
ستارے بن کے اُڑتے ہیں ہوا پر خاک کے ذرے
پسے جتنی یہ اُتنی ہوتی ہے توقیر مٹی کی
تعلق یہ تن و فرزند کا مٹی کی بیڑی ہے
کہیں مضبوط ہے لوہے سے یہ زنجیر مٹی کی
بشر ہے دل لگی سب کی موافق ہو مخالف ہو
یہ سب کی آنکھ میں ہے کھیلتی تصویر مٹی کی
جو ہے منہا خلقنا کم تو اب معنی سن اے علوی
تری روزِ ازل سے حق نے کی تخمیر مٹی کی

---

۲۷ ادیبوں کو سرکاری انعامات

مرکزی وزارت تعلیم نے ہندوستان کی بارہ زبانوں کے ستائیس ادیبوں کو ایک ایک ہزار روپے کے انعام دینے کا اعلان کیا ہے۔ یہ انعام ایک ادبی مقابلے کے نتیجے میں دئے جارہے ہیں۔ اُردو کی جن کتابوں پر یہ انعام ملا ہے، وہ یہ ہیں :-

قومی جھنڈے کی کہانی ———— ابراہیم فکری
ستاروں کی دُنیا بہت دور تک ہے ———— اطہر پرویز

ضروری اعلان :- براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔

موہنجوڈرو پر ہندی ناول کا روسی ترجمہ

ڈھائی سال پہلے مشہور ہندی ادیب رانگے راگھو نے روسی ادیب وولوڈ ایوانوف سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا "اگر سوویت عوام تک میرا ناول "عظیم شہر کی تباہی" پہنچ جائے تو مجھے بڑی مسرت ہوگی"۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو انھیں یقیناً مسرت ہوتی کہ موہنجوڈرو کے بارے میں ان کے مشہور ناول کا روسی ترجمہ بہت بڑی تعداد میں شایع کیا گیا ہے۔

"عظیم شہر کی تباہی" رانگے راگھو کا وہ پہلا ناول ہے جو روس میں شایع ہوا ہے۔ لیکن سوویت عوام ان سے اُس وقت واقف ہوئے تھے جب عظیم جنگ والگا کے بارے میں ان کی نظم "فتح کا گیت" شایع ہوئی تھی۔ رانگے راگھو نے جو اس زمانے میں ۲۰ یا ۲۱ سال کے رہے ہوں گے اس نظم میں والگا کی اس جیت کو خراج عقیدت پیش کیا تھا جو نازی جرمنی کی شکست کا آغاز ثابت ہوئی۔ رانگے راگھو کی اس نظم سے پتہ چلتا ہے کہ جوان العمری کے باوجود انہوں نے اس فتح کی اہمیت سمجھ لی تھی اور یہ جان گئے تھے کہ دنیائے انسانیت کے مستقبل کے لئے یہ فتح کیا اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ رانگے راگھو روسی شاعری کے ہندی مترجم کی حیثیت سے بھی جانے مانے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں مائیلوفسکی کی نظم "لفٹ مارچ" کا ہندی ترجمہ بہت مشہور ہے۔ اپنے ترجمے میں انہوں نے پوری شدت کے ساتھ مائیلوفسکی کی نظم کا انقلابی جذبہ اور جوش و خروش سمو لیا تھا۔

"عظیم شہر کی تباہی" سوویت یونین میں بہت جلد مقبول ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ ناول قدیم مشرقی تاریخ کے دلچسپ ترین موضوعات میں سے ایک موضوع یعنی عروج پر پہنچی ہوئی شہری تہذیب سے متعلق ہے۔

ناول میں ہندوستانی تاریخ کے ایک انتہائی قدیم لیکن شاندار دور کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

ناول نگار اس دور کے ہندوستانی سماج کی زندگی کی پوری عکاسی کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوا ہے، اور اس کی وجہ ہے ہندوستانی تاریخ سے اس کی گہری واقفیت۔ اس نے موہنجوڈرو کی عظیم طلسمی فضا سے پڑھنے والوں کی دلچسپی پیدا کی ہے جسے بجا طور پر مشرق کا پومپائی کہا جاتا ہے۔

(افکار بھوپال)

مراسلات

حماقت ہے اور کیا!

کچھ بیکار (کار آمد کی ضد) لوگ اُردو رسمِ خط کی اصلاح فرمایا کرتے ہیں، ایسے میں حماقت کہوں گا۔ اسی رسمِ خط نے سرسید اور حالی کو جنم دیا؛ "بانگ درا" اور "بال جبریل" اسی رسمِ خط میں تخلیق کی گئیں؛ غالب نے اسی رسمِ خط میں شاعری کی؛ میر کا کلیات اسی میں ہے؛ فیض و فراق کا بھی رسمِ خط ہے؛ جوش و جگر کی شاعری اسی رسمِ خط میں؛ گوپی اور گریان اسی میں لکھتے ہیں؛ زور نے اسی میں لازوال کارنامہ چھوڑا۔ اب اسی رسمِ خط میں آپ کیڑے نکالنے لگے!

یہ وقت تو متحد ہوکر کام کرنے کا ہے۔ فرض کیجئے آپ کا ایک مکان ہے۔ بارش سے چھت ٹپکنے لگی ہے اب ایسے میں کیا آپ چھت کو چھوڑ کر کھڑکیوں، روشندانوں کی سجاوٹ میں لگ جائیں گے؟ اُردو کا بھی یہی معاملہ ہے۔ آج یہاں اردو آبادی کی لسانی زندگی خطرے میں ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داری ہم پر آتی ہے۔ وہ یوں کہ ہم نے اپنی آبادی کی تعلیم کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ ہم اپنی تعلیم کے لئے دوسروں کے محتاج ہیں۔ اب بتایئے جب اُردو زبان ہی نہیں رہے گی تو ہم آپ کا "سائنٹفک رسمِ خط" لے کر کیا جائیں گے؟

خاکِ پائے خادمانِ اُردو، اقبال کرشن میں ہوں،

ضرورت ہے

انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ کے دفتر کے لئے ایک محاسب (Accountant) کی ضرورت ہے۔ وہی امیدوار درخواست دیں جو مندرجہ ذیل شرائط کو پورا کرسکیں۔

(۱) امیدوار کم سے کم بی۔ کام ہو اور حساب کتاب رکھنے کا عملی تجربہ رکھتا ہو۔

(۲) اُردو جانتا ہو حسابات انگریزی میں رکھ سکتا ہو۔

(۳) عمر ۳۱ دسمبر ۱۹۶۴ء کو ۴۰ سال سے زیادہ نہ ہو (تجربہ، صحت اور امتیازی خصوصیات کے مدنظر عمر میں رعایت بھی ممکن ہے)

تنخواہ اور گریڈ: ۱۵۰۔۱۰۔۳۰۰، گرانی الاؤنس دائمی صد مستقل ہونے پر پراویڈنٹ فنڈ، خصوصی حالات میں ابتدائی یافت زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔

درخواستیں مع نقول اسناد جنرل سکریٹری صاحب کے نام ۳۱ جولائی ۱۹۶۴ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔

اقبال کا سنِ ولادت

مکرمی!

۲۲ر جون ۱۹۶۴ء کے 'ہماری زبان' میں علامہ اقبال کے سن ولادت سے متعلق مراسلہ پیشِ نگاہ ہے۔ مراسلہ نگار نے "روزگار فقیر" سے ایک اقتباس منظر صدیقی کے ایک مراسلہ کے حوالہ سے پیش کیا ہے جو 'ماہِ نو' کراچی کے اپریل ۶۴ء کے شمارے میں شایع ہوا تھا اور آخر میں یہ سوال کیا ہے:

"جب کہ اقبال نے خود ہی لکھا ہے کہ وہ ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے تھے تو پھر ان کی پیدائش ۱۸۷۷ء میں کیسے ہوسکتی ہے؟"

اگر مراسلہ نگار نے 'روزگار فقیر' مؤلفہ فقیر سید وحید الدین کا مطالعہ کیا ہوتا تو ان کے ذہن میں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا اور انھیں اقبال کا صحیح سن ولادت معلوم ہو جاتا۔

'روزگار فقیر' میں اقبال کے سن ولادت کے متعلق مفصل بحث کی گئی ہے، اور اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اقبال نے اپنا جو سن ولادت درج کیا ہے وہی صحیح ہے۔ لیکن ان سے سنہ ہجری کے مطابق سنہ عیسوی نکالنے میں غلطی ہوئی ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سنہ عیسوی لکھتے وقت صرف سال کا اندراج کیا ہے تاریخ اور ماہ کا نہیں۔ کیلنڈر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ۳ ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ مطابق ہوتا ہے ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کے، اور اس لحاظ سے جہاں تک سنہ عیسوی کا تعلق ہے اقبال ۱۸۷۳ء میں نہیں بلکہ ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے تھے اور یہی ان کا صحیح سن ولادت ہے۔

مظفر اقبال۔ بھاگلپور

"لسانی فارمولا" اور "اُردو نصاب"

مکرمی۔ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۶۳ء کے "روزنامہ سیاست جدید کانپور" میں "سہ لسانی فارمولا ترمیم شدہ ہدایات" کے زیرعنوان شایع ہونے والی ترمیم شدہ ہدایت ۵ میں درجہ ۶ سے اُردو پڑھنے والوں کی بابت لکھا تھا کہ "اُردو کے لئے دو سطحیں قرار دی گئی ہیں۔ پہلی ان طلبہ کی سطح جنھوں نے درجہ پانچ کا لیول (Course) حاصل کرلیا ہے۔ ان کے لئے موجودہ سلیبس کی کتابیں ہیں۔ دوسری سطح ان طلبہ کی جو پہلے لیول کے ماسوا ہیں۔

ان کے لئے مفصل سلیبس بعد کو تیار ہوگا اور فی الحال بیسک ریڈر حصہ اول و دوم درجہ ۶ میں پڑھائی جائیں گی۔

غزلیں

دلیپ بادل

جیتے جی فن کار کے فن سے رہتے ہیں بیگانے لوگ
دنیا کو جب چھوڑ چلے ہم پھر آئے پچھتانے لوگ

"لکشمن ریکھا" پار کریں گی تو "سیتا" پچھتائیں گی
چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی بنتے ہیں افسانے لوگ

گھر گھر ہانک لگائی ہم نے لیکن سب چُپ سادھ گئے
گھر جب سارا پھونک دیا تو آئے آگ بجھانے لوگ

جیتے جی نہ کسی نے پوچھا کون نگر میں رہتے ہو
مرنے پر یہ پوچھ ہماری کیسے ہیں مستانے لوگ

سچے دل سے پریم کی خاطر ہم نے ہاتھ بڑھایا تھا
جھاڑ کی دیوار سمجھ کر آگ لگے برسانے لوگ

چاہت اور مروّت کی اس دور میں قیمت خاک نہیں
البتہ سکّوں کے کارن کرتے ہیں یارانے لوگ

رسم چلی آتی ہے سب کو اپنا خون ہی پیارا ہے
پھر جانے کیوں بادل صاحب جاتے ہیں سمجھانے لوگ

فیض رامپوری

جہاں کہیں مرے دیوانہ پن کی بات چلے
چھڑیں بہار کے قصے چمن کی بات چلے

بہار آئی، گریباں بدست ہوں لیکن
یہ چاہتا ہوں ترے پیرہن کی بات چلے

وفا کے گیت سناؤ کہ دہر میں شاید
اسی بہانے سے دار و رسن کی بات چلے

سُنا رہا ہے کوئی داستانِ غنچہ و گل
یہاں یہ ہو کہ ترے بانکپن کی بات چلے

ضیائے نجم و قمر ہو نثار راہوں پر
کچھ اس طرح سے تری انجمن کی بات چلے

غنی صدیقی

کتنی راہیں، کتنے شہر اور کتنے عالم چھوٹ گئے
تم سے ہی اے دوست نہیں اب خود سے بھی ہم چھوٹ گئے

سب آہٹ سب جھنکاریں گم ہیں تاریک مسافت میں
سناٹوں کے بن میں کیسے کیسے ہمدم چھوٹ گئے

راتوں کی گلیوں میں بھٹکیں روح کے سناٹے لے کر
دستِ یاد سے کتنی خوشیاں اور کتنے غم چھوٹ گئے

جلتے دن کے صحرا میں یہ تنہا پیڑ غنیمت ہے
غم نہ کرو فرقت میں اگر پھولوں کے موسم چھوٹ گئے

اُفق لکھنوی کی ۱۰۰ ویں سالگرہ

جناب عالی تسلیمات

افق سینٹینری کمیٹی دہلی نے اپنی اس نشست میں جو ۲۳ اپریل ۶۳ء کو منعقد ہوئی تھی طے کیا ہے کہ امسال تقریباً ماہ نومبر میں مرحوم ملک الشعراء منشی دوارکا پرشاد افق لکھنوی کی ولادت کا صد سالہ جشن منایا جائے۔ حضرت افق ایک ممتاز شاعر، صحافی، تمثیل نگار اور ناولسٹ تھے اور اپنی ہمہ گیری اور فطانت سے انھوں نے اپنی مختصر زندگی میں بڑا نام اور مرتبہ پایا۔ ان کا زمانۂ حیات ۱۸۶۴ء اور ۱۹۱۳ء کے درمیان ہے۔

کمیٹی نے یہ بھی طے کیا ہے کہ اس تقریب پر قوم کی خدمت میں اُنکے حالاتِ زندگی اور اُنکے فرمودات پر مشتمل ایک کتاب پیش کی جائے۔

کمیٹی اُن حضرات کے اشتراک تعاون حاصل کرنے میں فخر محسوس کریگی۔

جن کے پاس حضرت افق سے متعلق تحریری یادداشتیں یا ان کا کلام یا ان کے دوسرے کارنامے محفوظ ہوں۔ کمیٹی نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ بعض حالات میں ان حضرات کو مناسب معاوضہ بھی پیش کیا جائے جو یہ سب مواد اور خاص طور پر اُنکی حسب ذیل تصانیف و تراجم وغیرہ بہم پہنچا سکیں تاکہ اُنکے تذکرہ اور کلام کی ترتیب و تدوین میں اس مواد سے بھی فائدہ اُٹھایا جاسکے۔

۱۔ حضرت افق کے ناول

طلسم، انقلاب، عالم تصویر، فتنہ کا دہیری، شہزادی اورنگزیب وسیواجی مرہٹہ، زلف لیلےٰ۔

۲۔ حضرت افق کے حسب ذیل منظومات

سرمایۂ معلومات، رسالہ ٹیکا، مُرقّع کمال، مُرقّع اخلاق، مُرقّع خیال، آئینہ جغرافیہ نما، تفریح طبع منظوم، مذاق افق، تواریخ و واقعات، مکتوب منظوم، مسدس قومی، ناصح مشفق، سناتن دھرم پرکاش، سناتن دھرم کی تاریخی عظمت، آریہ ورت کی تاریخی عظمت، سودیشی وستو کا پرچار۔

۳۔ حسب ذیل اخبارات یا رسائل کی جلدیں یا انمیں شائع شدہ مختلف منظومات یا نثری مضامین :-

نظم اخبار لکھنؤ، تنائی اخبار لکھنؤ، اودھ اخبار لکھنؤ، تفریح لکھنؤ، زمانہ کانپور، آزاد لاہور، بہار اودھ لکھنؤ، پنجاب سماچار لاہور، بھارت پرتاب جھجھر، سناتن دھرم گزٹ لاہور، ہفتہ وار ہند لکھنؤ۔

۴۔ کسی اور قسم کا مواد۔

اگر مطلوبہ بالا مواد کے اصل مسودے یا ان کی نقول جلد از جلد یعنی ۱۵ جولائی ۱۹۶۳ء تک مہیا ہو جائیں تو کمیٹی اس کے لئے بے حد ممنون ہوگی۔

آپ کا صادق
گوپی ناتھ امن
چیرمین افق سینٹینری کمیٹی
۲۹-۱۵۲۸، فیض گنج دریا گنج دہلی

سخاوت مرزا

حیدرآباد دکن کے بعض اہم گلدستے

آج سے نصف صدی قبل بھی حیدرآباد دکن، جید علماء اور باکمال شعرا کا مرجع تھا، خصوصاً مہاراجہ چندو لال اور حضرت فیض حیدرآبادی کے مشاعرے۔ اس کے بعد حضرت مرزا سردار بیگ رحمۃ اللہ علیہ، (وفات ۱۳۱۰ھ) خلیفہ خواجہ محمد علی خیرآبادی اور آپ کے خلیفہ حضرت میر امداد علی تھانوی المتخلص بہ علوی (وفات ۱۳۱۹ھ) خال حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے مشاعرے بڑے زور شور سے ہوا کرتے تھے، اور اہل کمال شعراء اپنی سخن آرائی سے ان محفلوں کو گرمایا کرتے تھے، ادھر مہاراجہ کشن پرشاد شاد کے مشاعرے اور اُن کی داد و دہش، مہاراجہ چندو لال کے بعد شعرا کی حوصلہ افزائی کے لئے ضرب المثل تھی۔ ایوان شاد سے گلدستہ محبوب الکلام نکلتا تھا جس کے ایڈیٹر مشہور شاعر نوبت رائے نظر لکھنوی بھی رہ چکے ہیں۔

گلدستہ مشاعرہ فیض میں، فیض اور ان کے تلامذہ اور معاصرین کا کلام شایع ہوتا تھا۔ ایک گلدستہ بزم رنداں، مولانا سید رضی الدین کیفی (وفات ۱۹۱۹ء) شایع کرتے تھے اور حضرت مرزا سردار بیگ رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے مشاعرے کا گلدستہ "خارستان" مشہور تھا۔ گلدستہ شور عاشقاں میں مشاعرۂ عرس حضرت علوی رحمۃ اللہ علیہ کی روئداد چھپتی تھی۔ یہ گلدستے تیس سال قبل تک شایع ہوتے رہے۔ ابتدائی مشاعروں میں جہاں استاد حضرت داغ بھی شریک رہے ہیں۔

ہم یہاں مجموعہ کلام شعراء مشاعرہ ۱۳۳۲ھ مندرجہ گلدستہ شور عاشقاں سے جو حضرت علوی کے عرس کا چودھواں مشاعرہ تھا مختصر کلام پیش کرتے ہیں، جس کی سرپرستی حضرت آصف جاہ سابع میر عثمان علی خاں نے بھی فرمائی تھی۔

اس مشاعرے میں حسب ذیل شعرا شریک تھے۔

الم (شوہر درِ نجفی)، (ڈاکٹر مہدی حسن)؛ رنگ (وزیر خاں) تلمیذ ظہیر دہلوی؛ صفیر تلمیذ بیکش تھانوی (سجاد علی)؛ شفقی (میر بہبود علی) تلمیذ بیکش و کیفی؛ عاجز تلمیذ ناداں (ہمشیر زادہ داغ دہلوی)؛ کیفی (رضی الدین) تلمیذ بیکش تھانوی اور داغ دہلوی؛ ولا (عزیز جنگ) تلمیذ داغ۔ فانی (محمد احمد) تلمیذ علوی؛ عارف (عارف علی) برادر زادہ و تلمیذ علوی؛ شوق (غلام محمد عرب)؛ زیرک تلمیذ برتر غازی پوری وغیرہ۔

اور مصرع طرح حضرت علوی کی غزل سے ہی دیا گیا تھا، جو یہ ہے۔ ع فرشتوں کا کھلونا بن گئی تصویر مٹی کی۔

اس ردیف اور قافیہ میں شمالی ہند کے شعراء نے بھی طبع آزمائی کی ہے۔ مثلاً مولا بخش المتخلص بہ قلق دہلوی متوفی ۱۲۹۷ھ جن کا مطلع یہ ہے ؎

وہ بعد مرگ دے دشمن کو یہ توقیر مٹی کی
نوید اے خاکساراں کھل گئی تقدیر مٹی کی

مرزا حاتم علی بیگ مہر اکبرآبادی فرماتے ہیں ؎

بہت چمکی جو ہم صورت ہوئی اکسیر مٹی کی
دکھائی خاکساری نے عجب توقیر مٹی کی

مذکرہ صدر بعض گلدستے کتب خانہ انجمن ترقی اُردو پاکستان میں بھی محفوظ ہیں۔ بخوف طوالت ہم یہاں مندرجہ بالا شعرا کے منتخب اشعار بغرض ضیافت طبع پیش کرتے ہیں:-

الم ؎

جو دی مٹی مجھے ہاتھوں سے اپنے ماہ پیکر نے
ادھر قسمت مری چمکی اُدھر تقدیر مٹی کی

رنگ ؎

لیا ہر اک نے ہاتھوں ہاتھ بازی گاہِ عالم میں
فرشتوں کا کھلونا بن گئی تصویر مٹی کی

شوق (غلام محمد عرب) ؎

کمال انسانیت کا چاہیے اے شوق انساں میں
وگرنہ خاک کا پتلا ہے اور تصویر مٹی کی

شفقی اورنگ آبادی ؎

یہ سب کچھ اُس کی قدرت ہے یہ سب اُس کے کرشمے ہیں
نہیں تو کس نے دیکھی بولتی تصویر مٹی کی

عاجز تلمیذ ناداں ؎

عدو کی بزم میں بلبل کی صورت چہچہاتے ہو
ہمارے پاس آ کر بن گئے تصویر مٹی کی

ولا۔ عزیز جنگ تلمیذ داغ ؎

بنائی اُس نے اپنے ہاتھ سے تصویر مٹی کی
زہے طالع زہے قسمت زہے تقدیر مٹی کی

زیرک۔ تلمیذ برتر غازی پوری ؎

نہ کیونکر بات بن جاتی دمِ تقریر مٹی کی
زباں والوں سے پہلے بول اٹھی تصویر مٹی کی
کوئی اکسیر کہتا ہے کوئی سرمہ سمجھتا ہے
ترے در تک پہنچ کر کھل گئی تقدیر مٹی کی

شرف ؎

نہیں کھلتا کہ اس پتلے میں آیا نطق یہ کیسا

مذکورۂ بالا ہدایت کی صراحت کرتے ہوئے جناب ناظم صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو بنارس نے لکھا تھا کہ جو لڑکے اسلامیہ اسکول یا مکتب کے اردو پڑھتے ہوں یعنی جنہیں درجہ ۵ تک اردو کی لیاقت ہو ۰۰ تو درجہ ۶ کی مروجہ اردو کی کتابیں پڑھیں گے، اور جو لڑکے پہلے سے اردو نہیں پڑھتے ہیں اور درجہ ۶ میں اردو لیں گے ان کو درجہ ۱، ۲ کی بیسک ریڈریں پڑھائی جائیں گی۔

(۱) جہاں تک ضلع بہرائچ کا تعلق ہے یہاں اس قسم کا کوئی حکم محکمۂ تعلیم سے آج تک جاری نہیں ہوا، اور باستثناء "جنتا جونیر ہائی اسکول نان پارہ" کے کسی بھی اسکول کے دوسرے لیول سے متعلق درجہ ۶ کے طلبہ ہدایت مذکورہ کی رعایت سے استفادہ نہ کر سکے۔ بلکہ پہلے اور دوسرے گروپ سب کو ایک ہی لیول میں رکھ کر موجودہ سلیبس کی کتابیں ہی پڑھنے کو دی گئیں۔ سالانہ امتحان کے نتیجے میں دوسرے لیول کے طلبہ کا جو حشر ہوا ہو گا ظاہر ہے۔

(۲) ہدایت مذکورہ میں نصاب کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ "مفصل نصاب بعد کو تیار ہو گا۔"

جون ختم ہو رہا ہے اور جولائی ۶۳ء سے دوسرے تعلیمی سال کی ابتدا ہو رہی ہے مگر اس کا کہیں پتہ نہیں ظاہر ہے کہ آج تک جدید سلیبس تیار نہیں ہوا۔ امسال بھی درجہ ۶ میں دوسرے لیول کے طلبہ کو بیسک ریڈر درجہ ۱، ۲ ہی پڑھائی جائیں گی۔

لیکن دوسرے لیول کے جو طلبہ درجہ ۶ پاس کر چکے ہیں اب درجہ ۷ میں کیا پڑھائیں گے۔ ہدایت مذکورہ سے اس کی کوئی رہنمائی نہیں ہوتی ہے۔ موجودہ سلیبس کے بموجب درجہ ۷ کی اردو کی کتابیں جو کہ ان کے معیار سے کہیں زیادہ بلند ہیں نہیں پڑھائی جا سکتیں اور درجہ ۳، ۴ کے استعداد کی کتابیں ہی ان کے لئے مفید ہوں گی۔

لہٰذا میں حکومت کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ جب تک سلیبس تیار نہیں ہوتا ہے درجہ ۷ کے لئے بھی کتابیں نامزد کر دی جائیں یا اس کا کوئی معیار متعین کر دیا جائے۔ نیز مذکورہ ہدایت کے بارے میں ایک سرکلر جملہ اسکولوں کے نام جاری کرا دیا جائے تاکہ کاغذی سطح سے گذر کر اس پر عمل بھی ہو سکے۔ ساتھ ہی ساتھ درجہ ۶ سے ۸ تک کے جدید سلیبس کی تیاری میں اب دیر نہ کی جائے۔

اس سلسلے میں انجمن ترقی اردو، محبان اردو، نیز جن حضرات کا دنیائے صحافت سے کچھ بھی تعلق ہے ان سے عرض کروں گا کہ وہ میری اس آواز کو ارباب اقتدار تک پہنچانے میں مدد دیں۔

اردو ٹیچروں سے گذارش ہے کہ ہدایت مذکورہ کے بموجب درجہ ۶ میں دوسرے لیول کے طلبہ کا معیار تعلیم اردو میں کم از کم اتنا ضرور ہو جانا چاہیے جتنا کہ بیسک ریڈر حصہ اول و دوم کے پڑھانے سے ہو سکتا ہے اس سلسلے میں "حیات اللہ طریقۂ تعلیم" کے سلسلے کی دس ٹائٹل اردو نام کی کتاب بڑی حد تک رہنمائی کرے گی۔ درجہ ۷ کے لئے بھی درجہ ۳، ۴ کے معیار کی کتابیں منتخب کر کے پڑھائی جا سکتی ہیں۔

محمد ایاز بیگ امین چغتائی
اردو ٹیچر جنتا جونیر ہائی اسکول نانپارہ ضلع بہرائچ

جواب استفسار

مکرمی!

"ہماری زبان" ۸ر مئی کے شمارہ میں نارنگ صاحب کے مراسلہ ادیبوں کے سن ولادت کے سلسلے میں مزید دو ادیبوں کا سن ولادت درج ہے۔

(۱) ڈاکٹر شوکت سبزواری مئی ۱۹۰۸ء کو میرٹھ (یو۔ پی) میں پیدا ہوئے۔

(۲) ممتاز شیریں ۱۲ر ستمبر ۱۹۲۴ء میں بمقام میسور پیدا ہوئیں۔

اکرام احمد۔ کراچی

پنڈت نہرو کی کتابیں آسامی زبان میں

معلوم ہوا ہے کہ آسام کے اشاعتی بورڈ نے مسٹر نہرو کی کتابوں کو بتدریج آسامی زبان میں چھاپنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مسٹر نہرو کی خود نوشت سوانح حیات، ڈسکوری آف انڈیا اور گلمپسز آف ورلڈ ہسٹری، اب تک آسامی زبان میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔

مسٹر دیو کانت بروا، وزیر تعلیم آسام اس بورڈ کے صدر ہیں۔

(قومی آواز۔ لکھنؤ)

سب سے وزنی اور قیمتی کتاب

دنیا کی سب سے بیش قیمت کتاب جو ۳۰۰ ہنڈرڈ ویٹ وزن رکھتی ہے اور جس کا دس لاکھ ڈالر میں بیمہ کرایا گیا ہے بحری جہاز "فرانس" کے ذریعہ نیویارک کے عالمی میلے کے لئے روانہ کی گئی ہے۔ اس کتاب کا نام "ایپوکالیپس" ہے۔ اسکے حروف اور نقش و نگار طلائی ہیں۔ اس کتاب کی نمائش ۱۹۶۱ء سے اب تک متعدد یورپی مقامات پر کی جا چکی ہے۔

(شاعر۔ بمبئی)

مناظر عاشق ہرگانوی

دار المطالعہ (جانا) میں قلمی نسخے

بہار شریف سے آٹھ (۸) میل پورب لب سڑک ایک گاؤں کا نام "جانا" ہے۔ یہاں کی لائبریری کا نام "دار المطالعہ" ہے، جو ۱۹۲۲ء میں قائم ہوئی تھی اور درمیان میں قریب بیس (۲۰) سال تک بند رہی تھی جسے یہاں کے نوجوانوں نے از سر نو قائم کیا ہے۔

"دار المطالعہ" میں بہت سی نایاب کتابیں تھیں جن میں زیادہ تر قلمی نسخے تھے، ان میں سے بہت سے تو ضائع ہو گئے۔ لیکن اب بھی یہاں چند نادر قلمی نسخے موجود ہیں۔ ساتھ ہی بہت سے رسالے مثلاً "دکن ریویو" "زمانہ" "مخزن" "عصمت" "نیرنگ خیال" اور "الہلال" وغیرہ کے بہت سے شمارے موجود ہیں۔ ایک شمارہ "انتخاب مخزن" رسالۂ "مخزن" کی پہلی نو (۹) جلدوں کے چیدہ مضامین کا انتخاب ہے۔

یہاں پر قلمی نسخوں کی ایک فہرست پیش کی جا رہی ہے جس سے تحقیقی کام کرنے والے حضرات استفادہ کر سکیں گے۔

"دار المطالعہ" میں فارسی کی مندرجۂ ذیل قلمی کتابیں ہیں:-

(۱) ہفت اقلیم۔ (۲) سکندر نامہ۔ (۳) وفات نامہ حضرت علی۔ (۴) تلاشہ ظہوری۔ (۵) یوسف و زلیخا۔ (۶) گلستاں۔ (۷) دیوان درد (نامکمل)۔ (۸) انشائے ابو فضل۔ (۹) انتخاب اصول الایمان۔ (۱۰) فوائد شرح ملا جامی۔ (۱۱) دیوان حافظ۔ (۱۲) ماسقیما۔ (۱۳) نستعالیق۔ (۱۴) مثنوی بہرولہ۔ (۱۵) نام حق۔ (۱۶) تلد دمن۔ (۱۷) رقعات ابو الحسن۔ (۱۸) مینا بازار۔ (۱۹) راحت الفردوس۔ (۲۰) رقعات عالمگیری (نامکمل)۔ (۲۱) گلستاں۔ (۲۲) دیوان نویدی۔ (الانوار القادریہ)۔ (۲۴) حقیقت الاسلام فی بیان۔ (۲۵) حقوق اللہ حقوق البلاد۔ (۲۶) سیرۃ النبی صلعم۔ (۲۷) دیوان ہلالی۔ (۲۸) نسخہ ظہوری۔ (۲۹) خالق باری۔ (۳۰) نسخہ ظہوری خطبہ گلزار ابراہیم۔ (۳۱) رسالہ در باب نکاح (بیوگان)۔ (۳۲) مجمع نفیحات و دعا۔ (۳۳) تلخیص سہ نثر ظہوری۔ (۳۴) سہ نثر ظہوری۔ (۳۵) رسالہ عشقیہ۔ (۳۶) رسالہ اصول الایمانی۔ (۳۷) جامع القوانین۔ (۳۸) مالا بد منہ۔ (۳۹) نصاب مثلث فرہنگ چہار دانش۔ (۴۰) کاشف الاسرار۔ (۴۱) نسخہ ظہوری اور (۴۲) انشائے بہار عجم۔

فارسی کے علاوہ عربی کی مندرجۂ ذیل قلمی کتابیں موجود ہیں:-

(۱) بدیع المیزان۔ (۲) شرح جامی۔ (۳) شرح فصوص الحکم۔

اس "دار المطالعہ" میں قلمی کتابوں کے علاوہ، اور بھی بہت سی نایاب کتابیں موجود ہیں۔

لسانی فارمولا اور اُردو

خان عبد الحی نے ادارۂ افکار رام پور کی ہفت روزہ ادبی نشست میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "لسانی فارمولے" کی بنیادی اور افسوسناک خامی صرف یہی نہیں ہے کہ اس میں اُردو کی جائز حیثیت کو قطعی طور پر نظر انداز کر کے اسے ایک ایسی غیر عوامی اور قدیم زبان کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے جس کے بولنے والوں کی مجموعی تعداد ہندوستان کے کسی چھوٹے سے چھوٹے شہر میں اُردو بولنے والوں کی تعداد سے بھی کم ہے بلکہ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اسکولوں میں متعصب ذہنیت کے اساتذہ نے اس فارمولے کی آڑ لے کر اُردو کے لئے ایسی دشواریاں پیدا کر رکھی ہیں کہ طلبہ انتہائی خواہش کے باوجود بھی اس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر کمیشن تنگ نظری اور تعصب کی گرفتوں سے آزاد ہو کر اس لسانی مسئلے کے بارے میں غیر سیاسی انداز سے غور کرتا تو مجھے یقین ہے کہ بالعموم ہندوستان کے کئی دوسرے صوبوں اور بالخصوص یو۔پی میں سرکاری اور غیر سرکاری سطحوں پر اُردو کو اس سے بھی کہیں زیادہ اہمیت حاصل ہوتی جتنی کہ آج از رو پرورش ہندی کو دی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ تمام حامیان اُردو پورے اخلاص کے ساتھ متحد ہو کر اُردو کے فروغ و تحفظ کے لئے کام کریں اور جولائی میں اسکولوں کی تعطیلات ختم ہونے پر پوری سختی کے ساتھ یہ دیکھیں کہ اُردو کے خواہش مند طلبہ کو کن دشواریوں کا سامنا ہے۔ (ناظم رام پور)

شاخ نئی دہلی کی ادبی نشست

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ نئی دہلی کی ایک ادبی نشست ۹ جون کو جناب مالک رام صاحب کے اعزاز میں بیگم انیس قدوائی ایم پی (صدر شاخ) کی قیام گاہ پر ہوئی۔ صدر شاخ کی تحریک اور بیگم حمیدہ سلطان کی تائید پر جناب شیو پرشاد صاحب سنہا نے کرسی صدارت سنبھالی۔ شاہ مصباح الدین شکیل معتمد شاخ نے جناب مالک رام صاحب کا تعارف کراتے ہوئے انکی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی۔ "فن تحقیق اور غالب" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے مالک رام صاحب نے کہا کہ میری کامیابی یا ناکامیابی کا راز یہی ہے کہ میں نے اپنے کام کے لئے ایک موضوع کا انتخاب کیا۔ اکثر موضوع کا تعین ہی کامیابی کی آدھی ضمانت ہوتا ہے۔ تحقیق کے دوران بڑے صبر آزما اور دشوار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگر کسی شخصیت پر کام کیا جارہا ہو تو نہ صرف اسکی ادبی زندگی بلکہ خانگی اور نجی زندگی کی بھی چھان بین کی جانی چاہیے۔ اس دور کے حالات کا بھی جائزہ لینا ضروری ہے۔ اس شاعر یا ادیب کی زندگی میں شایع شدہ تصانیف کے جملہ ایڈیشنوں کا تقابلی مطالعہ اسکے ذہنی ارتقا کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ آخر میں صاحب موصوف نے فن تحقیق سے متعلق اپنے نظریے اور غالب سے متعلق اپنے تحقیقی کام پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ جناب مالک رام صاحب کی تقریر کے بعد جناب نرش کمار شاد جناب علیم اختر، حضرت ساغر نظامی اور حضرت روشن صدیقی نے پنڈت نہرو آنجہانی کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اپنی صدارتی تقریر میں صدر جلسہ شیو پرشاد صاحب سنہا نے مالک رام صاحب کی خدمات کو سراہتے ہوئے غالب کی عظمت کا اعتراف کیا۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ غالب کی طرح اردو کا ایک عظیم شاعر اقبال بھی ہے۔ بدقسمتی سے ملک کی سیاسی تقسیم نے اقبال کو پاکستانی قرار دے دیا ہے۔ شاعر اور ادیب کسی ملک یا قوم کی ملکیت نہیں ہوتے اور پھر اقبال کا تو ہماری سرزمین سے گہرا ربط رہا ہے ضرورت ہے کہ ہم تنگ نظری سے بچ کر اقبال کے کلام اور فلسفہ سے پورا پورا استفادہ کریں۔ معتمد کے شکریہ کے بعد جلسہ ختم کو پہنچا۔

(جنرل سکریٹری)

کرشن چندر پر پی ایچ ڈی کی ڈگری

اردو کے عظیم افسانہ نگار کرشن چندر پر الٰہ آباد یونیورسٹی کے مسٹر احمد حسین تحقیق کر رہے تھے۔ اُن کے تحقیقی مقالے "کرشن چندر، اس کی حیات اور تصانیف" پر الٰہ آباد یونیورسٹی نے انھیں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری دے دی ہے۔ (شاعر بمبئی)

سہ لسانی فارمولے کے نفاذ کے لئے

مرکز کی مالی امداد

مرکزی حکومت ہندی بولنے والی ریاستوں میں سہ لسانی فارمولے کو بروئے کار لانے کیلئے مالی امداد دینے پر غور کر رہی ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ غیر ہندی بولنے والی ریاستیں بھی اس فارمولے کو نافذ کر رہی ہیں اور ہندی بولنے والی ریاستیں اس کے نفاذ میں پیچھے رہ گئی ہیں۔

بہار، یو۔پی، راجستھان اور مدھیہ پردیش نے اسکو اب تک نافذ نہیں کیا ہے۔ ان ریاستوں نے مرکز سے کہا ہے کہ اسکے نفاذ کے لئے غیر ہندی زبان شروع کرنے کے واسطے سو فی صدی امداد دے۔

یہ فارمولا ۱۹۶۱ء میں وزرائے اعلیٰ کی کانفرنس میں تیار ہوا تھا کہ ہر اسکول کا طالب علم ایک تو مادری یا علاقائی زبان پڑھے دوسرے ہندی اور تیسرے انگریزی یا ایک جدید یورپی زبان پڑھے اور جن ریاستوں میں ہندی مادری یا علاقائی زبان ہے وہاں کوئی جدید ہندستانی زبان پڑھائی جائے۔

ہندی بولنے والی ریاستوں کا کہنا ہے کہ وہ ہندی، انگریزی اور سنسکرت پڑھا کر فارمولے کو نافذ کر رہی ہیں مرکز نے ان کی یہ تجویز اس بنیاد پر مسترد کر دی ہے کہ سنسکرت کو فارمولے میں تیسری زبان کی حیثیت نہیں دی گئی ہے۔

نئی تجاویز کے تحت مرکز ہندی بولنے والی ریاستوں میں اساتذہ کی تربیت، ان کی تنخواہوں اور درسی کتب کے اخراجات دینے کے لئے تیار ہے۔

مرکز جنوبی ریاستوں کے اسکولوں میں ہندی پڑھانے کے لئے سو فی صدی امداد دے رہا ہے۔

انجمن ترقی اُردو

کی

کُل ہند اُردو کانفرنس جے پور

جن جن ریاستی شاخوں سے فیس الحاق اور ریاست کی مقامی شاخوں کی فہرست پتوں کے ساتھ آرہی ہے انھیں جے پور کی کل ہند اُردو کانفرنس میں شرکت کے لئے نمائندوں کے انتخاب وغیرہ کی تفصیلات بھیجی جارہی ہیں جو مقامی شاخیں کسی ریاستی شاخ سے باضابطہ ملحق ہیں اور انھیں ۳۱۔ جولائی تک مرکزی دفتر سے کوئی اطلاع نہ ملے تو وہ اپنی ریاستی شاخ اور مرکزی دفتر علی گڑھ سے رجوع کریں۔

جنرل سکریٹری

ضیاء احمد بدایونی

تبصرہ

شعلۂ رقصاں

مصنف: حضرت بلالی شاہ چشتی قادری
ملنے کا پتہ: الجنتہ العلیہ۔ چنچل گوڑہ۔ حیدرآباد نمبر ۲۴ - اے پی۔
قیمت: مجلد ۳ روپے ۵۰ نئے پیسے۔

'شعلۂ رقصاں' بلالی شاہ صاحب کی اردو غزلیات منظومات، رباعیات اور فارسی کلام کا مجموعہ ہے۔ جناب مصنف ایک وجودی صوفی اور اہل حال معلوم ہوتے ہیں۔ جس کا پرتو ان کی شاعری میں نمایاں ہے۔ عشقیہ اشعار میں بھی یہی رنگ جھلکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ کلام میں شعریت کی کمی ہے۔ اسی کے ساتھ فنی اسقام کی کثرت ہے۔ موصوف نے شروع میں اعلان کیا ہے کہ "مخفی مبادا اس فقیر کو مولانا ...... سے فن عروض میں جانشینی حاصل ہے۔" لیکن تعجب ہے کہ بہت سے مصرعے وزن سے ساقط ہیں۔ چند مثالیں حاضر ہیں۔

پروانہ حسن یار کا قربان یار ہو گیا
سوزش عشق کا دھواں لوح مزار ہو گیا
ملتی ہے اگر یار کی تصویر نمائی
بہتر ہے کہ آئینۂ یار ہی بن جا
تجھے راستہ ملے کا لاہوت سے بھی آگے
کبھی چھوڑ دے اگر تو یہ خصلت رذالہ

حروف کا گرنا۔ علامت فاعل (نے) کا حذف کرنا جیسے میں پوچھا۔ میں دیکھا ہوں، سُنا ہوں وغیرہ۔ تذکیر و تانیث سے بے توجہی۔ "لکیر زندگی"، "کیفیت دن رات" جیسی تراکیب کا استعمال عام ہے۔ کلام میں اکثر معنویت کا فقدان اور ابہام و اشکال کی طرف میلان پایا جاتا ہے۔ مثلاً

لے جائیں گے نظر میں چھپا کر شرافتیں
بدنام کینہ دوز رہے ہم تو کیا ہوا
مختار ہم تو ہر غم فردا سے پاک ہیں
دور رنجش ہنوز رہے ہم تو کیا ہوا
رُخ دلبری کو میرے جو دکھا کے وہ چھپایا
اُسے دیکھنے دوبارہ کوئی سر نہیں نکالا

میں ترے خوش نصیبوں میں ہوں
شوم پر سایۂ بوم کر
نہ تو جبر ہوتا ثابت نہ یہ اختیار ہوتا
نہ یہ بار بار ہوتی جو نہ بار بار ہوتا
کوچے میں مرے یار کے آنکھوں سے چلوں گا
دُنیائے محبت میں جہاں سر سے چل آیا

مصنف نے نظمیں بھی لکھی ہیں مگر وہ بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔ رباعیات کا بھی یہی حال ہے نہ رباعی کا وزن ہے نہ رباعی کی شان، اور پھر امجد کے دیس میں! - آخر میں فارسی کا کلام ہے جس کے بارے میں یہ کہنا کافی ہے کہ یہ کہیں سے بھی فارسی نہیں معلوم ہوتا۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست۔

ہم نے یہ سطور دلسوزی سے لکھی ہیں۔ تنقیص مقصود نہیں ہے۔ امید ہے کہ جناب مصنف جو صوفی منش ہیں آزردہ خاطر نہ ہوں گے۔

مالک انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا